ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

عاصم بٹ کے ناولوں میں شہر لاہور

The city of Lahore in Asim Butt's novels

ثوبیہ مقبول

پی ایچ۔ڈی اسکالر، اِدارہ زبان وادبیات اُردو، اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی، لاہور

Abstract

The novel "Daira", "Natumam" and "Bhaid" by Muhammad Asim Butt depict the characteristics and identity of Lahore city.These novels portray Lahore's culture, civilization, history and traditions highlighting specially the contrast between walled city and modern Lahore. Lahore has been shown to suffer wounds due to its extension.These novels shed light on the tradegy of modern Lahore's strangness, isolation and alienation.The mentioned places, streets, old houses with courtyards, shops, bazars, colleges, liberaries, universities, gardens, historical buildings, tombs, mosques all creat a mosaic and art gallary and Lahore emerges as a dynamic centeral character.

Keywords: Daira, Natumam, Muhammad Asim Butt, civilization, traditions, ourtyards, historical buildings

اکیسویں صدی کے ابھرتے ہوئے ناول نگاروں میں ایک نام محمد عاصم بٹ کا بھی ہے۔فن ناول نگاری کے افق کا یہ ستارہ۲۰۰۱ء میں اپنے ناول "دائرہ" کی صورت میں ابھرا۔ناول "دائرہ" کے بعد "ناتمام" (۲۰۱۴ء)اور "بھید"(۲۰۱۸ء)موضوع اور اسلوب کے اعتبار سے ان کی پہچان کو مستحکم کر چکے ہیں۔ان تینوں ناولوں میں شہر لاہور کا کردار ی تشخص نمایاں ہو کر ابھر تا ہے۔لاہور شہر سے تعلق ہونے کے باعث ناول نگار نے اس شہر کی سچائی ،کشادگی ،تبدیلی، حساسیت کو ماضی، حال اور مستقبل کے آئینوں میں پرکھ کر پیش کیا ہے جس سے ناول اور ناول نگار اور شہر لاہور کی قدر و قیمت اور انفرادیت میں اضافہ ہوا ہے۔

ناول "دائرہ" شہر لاہور کی تہذیب، ثقافت، رہن سہن، ادب آداب اور کرداروں کی داستان سناتا ہے۔یہ وہ لاہور ہے جو ۱۹۶۰ء، ۱۹۷۰ء، ۱۹۸۰ء کے زمانے میں تشکیل پا رہا ہے۔ قدامت اور جدت دو ایسے پاٹ ہیں جس میں شہر اپنی جگہ بنا رہا ہے تو سیع شہر اندرون شہر میں تاریکی بڑھا رہی ہے۔جدید شہر لاہور درختوں کی زندگی پر نمو پا رہا ہے۔اندرون شہر لاہور نے اپنی روح، ماحول، اپنے پن کی قربانی دیے کر نئی دنیا، نئی راہوں اور نئی منزلوں کی بنیاد ڈالی ہے۔ عاصم بٹ نے اندرون شہر لاہور کے حسن، دیوانگی اور کرشماتی پن کو ماند ہوتا دکھایا ہے۔ قدیم شہر کی عمارتوں، علاقوں، سیڑھیوں، مساجد، تھڑوں، گلیوں ، دکانوں، دکاندار اور باسیوں کو نئے پن کی لپک کا گرفتار دکھایا ہے ناول کی کہانی میں۔ یہ لہر ایک سبک رفتار گھوڑے کی طرح دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔اور دیگر جدید شہروں کی طرح لاہور بھی جدت کے احساس کو جھیلتا دکھائی دیتا ہے۔ناول کے ابتداء میں بنیادی کردار راشد ایک فلم کا کردار بنام آصف ادا کر رہا ہے۔جو لاہور کے جدید علاقے میں ایک دفتر میں ملازم ہے۔یہ تجارتی علاقہ لاہور کے بدلاو کی بہترین مثال ہے۔ناول کا مرکزی کردار راشد فلم کی شوٹنگ کے بعد جب اپنی بیوی نورین کے ہمراہ اس علاقے میں سفر کر رہا ہوتا ہے تو یہ اسے اجنبیت اور اپنے پن کے تضاد میں ڈوبا ہوا دکھائی دیتا ہے جیسے مکان اور مکیں چھپن چھپائی کھیل رہے ہوں۔

عصر حاضر میں ترقی یافتہ میٹروپولیٹن شہر ایک برینڈ ہیں۔برینڈ لاہو میں بھی دھڑا دھڑ نئی کالونیاں بن رہا ہیں۔لاہور شہر کب تک اس کا متحمل رہ سکتا ہے عاصم بٹ نے شہر لاہور کو در پیش اس صورت حال کو عمدگی سے پیش کیا ہے۔

> " بہت تیزی سے شہر میں نئی کالونیاں تعمیر ہو رہی تھیں جسے لوگوں کی ایک غیر معمولی کھیپ دوسرے شہروں سے اچانک اس شہر میں آن وارد ہوئی ہو اور ہر کسی کے پاس اتنا پیسہ تھا کہ وہ یہاں سیٹل ہونے کے لیے مکان خریدنا چاہتا تھا۔یہ کالونیاں ان کی رہائش کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ناکافی ثابت ہو رہی تھیں۔" (۱)

شہر اپنے اندر بہت سے راز سموئے ہوتے ہیں۔یہ پیچ در پیچ یادوں کا ایک سلسلہ ہوتے ہیں۔ان میں عکس در عکس کئی منظر قید ہوتے ہیں۔ہر نظر کا اپنا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

ایک رنگ اور انگ ہوتا ہے۔ جو مکین کے احساس کے دھاگوں سے بندھا ہوتا ہے۔ احساس بدل جائے تو ان شہروں کے منظر بدل جاتے ہیں۔ غالب نے مکان اور مکین کے تعلق کو کیا خوب باندھا ہے۔

ہر اک مکان کو ہے مکیں سے شرف اسد
مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اداس ہے (۲)

"دائرہ" ناول کی نورین کا بچپن اندرون شہر لاہور میں گزرا ہے اور جوانی کی دہلیز پہ قدم دھر کر وہ مختلف نشیب و فراز کو عبور کر کے فلم کی ہیروئن بنی ہے۔ وہ اپنے شوہر نوید کی ذہنی حالت خراب ہونے کے پیش نظر اندرون شہر کے اس کے ادا کردہ کردار "آصف" کی تلاش میں آتی ہے۔ تو اس کی گلیاں اور یہ علاقہ اس کے لیے ایک اذیت بن جاتے ہیں۔ دلچسپ امر تو یہ ہے کہ جب اس کا احساس بدلتا ہے تو اندرون شہر لاہور بھی اس سے اپنا آپ چھپالیتا ہے۔ لذت کا احساس ہر موجودات کے ساتھ وابستہ ہے شہر، علاقے اس لذت سے محروم نہیں ہیں۔ اندرون شہر لاہور کی بھی ایک لذت ہے جو اس کے مکینوں اور قدر دانوں کے لیے ہے۔ ناول کی، "نورین" جب اس کے لیے اپنا احساس بدلتی ہے تو یہ بھی اسے احساس لذت سے محروم کر دیتا ہے۔

دو جزبیت سے بھرپور یہ اقتباس دیکھیے:

"اس کی یادوں میں جو گلیاں تھیں وہ کتنی کھلی تھیں، جانے کیا ہوا انھیں۔ کس کی نظر لگ گئی یا اسے کچھ ہو گیا تھا اور اسے یہاں رہنے، یہاں ہونے کی لذت سے محروم کر دیا گیا تھا۔۔۔۔۔۔ اپنے پرانے محلے سے دور ہو کر اسے اپنے اندر گہرا اطمینان بھرا احساس کسی ٹھنڈے اجالے کی طرح پھیلتا محسوس ہوا۔" (۳)

عاصم بٹ نے ناول کے اختتامی حصے میں مرکزی کردار راشد کے ایک فلمی کردار کے بہروپ کے تناظر میں اندرون شہر لاہور کے چھوٹے چھوٹے حصوں میں بٹی تصویریں بنائی ہیں۔ جنھیں اکٹھا کیا جائے تو آرٹ گیلری میں اندرون لاہور زندہ اور متحرک نظر آتا ہے۔ یہ حصہ شعوری طور پر شامل کیا ہوا لگتا ہے۔ مگر یہ شعوری کاوش ایک محبت کے جذبے میں پنہاں ہو جاتی ہے۔ ایسی باکمال تصویریں صرف وہی بنا سکتا ہے جو خود ان منظروں میں اترا ہو۔ ناول نگار کے قلم کی روانی، مشاہدہ کی طاقت اور تجربہ کے سبھاؤ نے شہر لاہور کو مجسم کر دیا ہے۔ اس لیے "دائرہ" کے دائرے کا آغاز اندرون شہر لاہور سے ہوتا ہے اور پھر لاہور کی انھیں گلیوں، محلوں، دکانوں، تھڑوں، بازاروں اور کرداروں میں دائروی صورت میں اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔ آصف کا کردار اندرون شہر لاہور سے متعلق ہے۔ اس کردار کو مرکزی کردار راشد جب فلم میں ادا کرتا ہے تو یہ اس کے وجود کا حصہ بن جاتا ہے۔ اس کے آگے وہ کیوں بے بس ہوتا ہے؟ اس کا جواب ناول کے آخری حصے میں اندرون شہر لاہور کے بیان میں مل جاتا ہے۔ لاہور جسے کوئی اپنے اندر بسائے تو پھر اس سے جدا ہونا محال ہے یا پھر جسے لاہور اپنے آپ میں سموئے وہ اس سے خود کو الگ نہیں کر پاتا۔ یہ دائرہ بھی لاہور سے لاہور تک کا سفر ہے۔ لاہور جیسے زندہ شہر کے بارے میں ناصر کاظمی نے کیا خوب کہا ہے:

شہر لاہور تیری رونقیں دائم آباد
تیری گلیوں کی ہوا کھینچ کے لائی مجھ کو (۴)

زیر نظر اقتباس بارونق لاہور کا عکاس ہے:

"دکانیں روشنیوں سے دمک رہی تھیں۔ تنگ بازاروں میں دائیں بائیں تھڑوں پر لوگ یوں بیٹھے تھے جیسے یہ سارا ہجوم کسی بڑے جلسے کا ہو جلسہ یاں ہو رہا تھا یا ابھی ہونا تھا۔ کھانے پینے کی دکانوں پر رش تھا جیسے لوگ باگ ابھی ابھی تو جاگے تھے اور تمام دن کی بھوک بھی ساتھ ہی ان کے معدوں میں جاگ اٹھی تھی۔،،(۵)

لاہور شہر کے جن تاریخی و ثقافتی مقامات، عمارتوں، علاقوں، اسکول، کالجوں، یونیورسٹیوں کا ذکر اس ناول میں ملتا ہے۔ ان میں شاہ جمال فلمز، سید مٹھا بازار، شاہی محلہ، لوہاری گیٹ، تعزیے والی دکان، اردو بازار، منٹو پارک، آصفہ میو ماڈل سکول، ملتان روڈ، اسکیم موڑ، اقبال ٹاؤن، ماڈل ٹاؤن، سول لائنز، کچہری روڈ، لارنس گارڈن، مزنگ، گورنمنٹ کریسنٹ کالج، دیال سنگھ کالج، چوک استبول، صوفیہ کیتھڈرل شامل ہیں۔

ناول میں لاہور شہر اپنے مکمل اور بھرپور احساس کے ساتھ موجود ہے۔ لاہور شہر کا بنایا ہوا ہر منظر اس شہر کے خواص کو مکمل کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

ایک پر تاثیر اور بھرا ہوا لاہور ہمارے سامنے کھڑا ملتا ہے۔ اس شہر کی حرارت نے اس ناول کو دلچسپ اور قابل خواندہ بنا کے رکھا ہے۔ ناول "دائرہ" لاہور شہر کی تصویری کہانی ہے۔

آصف فرخی اس کے محل وقوع اور کرداروں کے حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

"یہ سب ایک دائرے میں حرکت کر رہے ہیں۔ اور جب اپنی دانست میں اس دائرے کو توڑ کر آگے نکل جاتے ہیں تب ایک اور پہلے سے بھی بڑے دائرے میں داخل ہو جاتے ہیں۔"(۶)

ڈاکٹر انور سجاد "دائرہ" کے لاہور کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"مختلف وقوعوں کی تفصیل ایک ایسے فیبرک کی بنت کرتی چلی جاتی ہے جو Mosaic کے بجائے لاہور کی پیچ در پیچ زار گلیوں، تاریک / روشن سازشی گلیوں کے پر انتشار تانوں بانوں سے معروض وجود میں آتا ہے۔"

(۷)

عاصم بٹ کا ناول "ناتمام" ۲۰۱۴ء میں شائع ہوا۔ اس ناول کی کہانی کا تانا بانا بھی لاہور شہر کے ارد گرد گھومتا ہے۔ ناول کی مرکزی کردار صائمہ کا تعلق اندرون شہر کے علاقے لوہاری سے ہے۔ اس علاقے کے رہائشیوں کی زمینی ساخت، پرورش، رسم و رواج اور زندگی کا سجاؤ اور برتاؤ اس کی زندگی پر گہرے نقش چھوڑتا ہے۔ لاہور شہر کے اس حصے کو چھوڑ کر جب وہ جدید لاہور میں اپنی زندگی کی تلاش کے لیے نکلتی ہے تو وہاں لاہور شہر کی جدت اس کے اندر بیگانی اور دیوانگی دونوں بھر دیتی ہے۔ مصنف نے لاہور کو اوپر سے نہیں دیکھا۔ اندر اترا ہے۔ جدید شہر سمندر کی طرح ہوتے ہیں۔ جو اپنے اندر بہت سے راز اور گہرائی لیے ہوتے ہیں۔ دور سے دیکھیں تو بھاگتی دوڑتی زندگی میں ایک حسن نظر آتا ہے۔ جب شہروں کی اس دوڑ کا حصہ بنیں تو قدم تھکنے لگتے ہیں۔ روح تشنہ ہو جاتی ہے۔ صائمہ اس تشنگی سے بھر جاتی ہے جب وہ ڈاکٹر وقاص کے دیے ہوئے فلیٹ گارڈن ٹاؤن میں اپنی تنہا زندگی گزار رہی ہوتی ہے۔ کلبلاتا ہوا یہ شہر جس میں دو چار آدمی بھی نہیں رہتے اسے یاسیت قنوطیت اور بوریت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ لاہور شہر کے اگست کا مہینہ حبس زدہ ہوتا ہے۔ یہ حبس اس کے اندر بھر جاتا ہے۔ لاہور اور اس کے اندر کا موسم ایک سا ہو جاتا ہے۔ ایسے میں صائمہ لاہور شہر میں پناہ لینے کی کوشش کرتی ہے۔ جدید لاہور اور قدیم اندرون شہر میں گھومتی ہے۔ ان دونوں علاقوں کے تضادات اس کی روح کی تشنگی کو اور بڑھاتے ہیں۔ وہ چھوٹے چھوٹے روزمرہ زندگی کے سوال لاہور کی گلیوں، دکانوں، بازاروں، مکینوں کے سامنے رکھتی ہے۔ کسی ایک کا جواب اسے مطمئن نہیں کرتا۔ لاہور کی بے رنگی اسے اور بے کل کر دیتی۔

جب انسان کے اندر کا ذوق مر جاتا ہے۔ تو وہ اپنے آپ سے جدا ہو جاتا ہے یہ تبدیلی اور اصل سے جدائی چیزوں کے ساتھ وابستہ اس کے احساس بدل دیتی ہے۔ اندرون لاہور کشمیری بازار میں دستیاب سب چیزیں اپنے روایتی مزاج کا اظہار ہیں۔ مگر جب آپ روایت سے کٹ جائیں تو یہ چیزیں خود بخود غیر اہم اور غیر دلچسپ اور بے معنی لگیں گی۔ اصل میں فرد کی زندگی بدلنے سے اجتماعی زندگی کے چند پہلو اس کے لیے نہیں رہتے ہیں۔ جدید دور میں جدید شہروں میں صنعتی ترقی نے زندگی کے اسباب بدل دیے ہیں۔ جدید صارفیت لاہور کو بھی اپنے پنجوں میں جکڑ چکی ہے۔ اور اس کے رہائشی جدید نظر آنے کی چاہ میں تھکنے لگے ہیں۔ صائمہ بھی لاہور شہر کی گھٹن اپنے اندر محسوس کرتی ہے۔ لاہور شہر کی بھاگتی دوڑتی زندگی ایک چکر ہے۔ ایک دائرہ ہے۔ جس میں مکین اپنے وقت کو لاہور کی جزئیات میں صرف کر رہے ہیں۔ دائرے میں گھوم رہے ہیں۔ مگر کبھی کبھار مکاں اپنے مکینوں کی ساری تھکن اپنے اندر اتار لیتا ہے۔ لاہور بھی لٹمس پیپر کی طرح مکینوں کی تیزابیت اپنے اندر سمو لیتا ہے۔ یہ لاہور جدت کے زخم سہہ رہا ہے۔

"گاڑی کی فرنٹ سکرین سے میرے شہر تھکاوٹ کے ساتھ گھٹے گھٹے سانس لے رہا تھا۔"(۸)

عاصم بٹ نے اپنے پہلے ناول "دائرہ" کی طرح اس ناول "ناتمام" میں بھی توسیع شہر کے مسائل کو اجاگر کیا ہے۔ میٹروپولیٹن شہر لاہور میں انسان اپنے معاشی، معاشرتی اور نفسیاتی محرکات کے باعث بسنے کی چاہ میں دیوانے ہو رہے ہیں۔ لاہور اپنے وجود میں جگہ بنانے کے لیے کوشاں ہے۔ اس کوشش میں وہ بے حال بھی ہوتا ہے اور بے قرار بھی۔ یہاں مٹتے ہوئے کھیتوں اور کٹے ہوئے درختوں کے لہو کی باس ہے۔ اس پھیلے ہوئے لاہور شہر کی ایک تمثال دیکھیے۔

"شہر پھیلتے پھیلتے پھٹ ہی نہ جائے ایک بڑی توند اس کے ذہن کی سکرین پر چمکتی۔" (۹)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

"ناتمام" میں نو آبادیاتی دور کی ایک جھلک بھی نظر آتی ہے۔ انگریزوں نے لاہور کے علاقے اور لوگوں کو اپنے مفادات کی جنگ (جنگ عظیم اول، جنگ عظیم دوم اور برما) میں استعمال کیا تھا۔ ناول کا ایک کردار اماں حاجن لاہور کے جس گھر میں مقیم ہے وہ اس کے شوہر کو برما کے محاز سے لوٹ کے آنے بعد الاٹ ہوا ہے۔ یہ الاٹمنٹ ہمیشہ کے لیے اماں حاجن اور اس کے خاوند کو انگریزوں کا وفادار بنا دیتی ہے۔ لاہور کی گلیوں میں جب بن کے رہے گا پاکستان کے نعرے گونجتے ہیں تو اماں حاجن کے شوہر کو نہیں بھاتے ہیں۔ وہ انگریزوں کو اپنا محسن سمجھتا ہے۔ برصغیر سے انگریزوں کے جانے کے بعد بیوہ اماں حاجن اندورن لاہور کے ڈیڑھ مرلے کے مکان میں انگریزوں کے احسان کے احساس کے ساتھ اپنی زندگی پوری کر رہی ہے۔ الائٹمنٹ نو آبادیاتی زہر ہے جسے لاہور کے ان باسیوں کی زندگی میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔

عاصم بٹ کا بھید ۲۰۱۸ء میں شائع ہوا۔ "دائرہ" اور "ناتمام" کے بعد "بھید" بھی لاہور شہر کی کہانی ہے۔ اس طرح کا ناول لکھنے کے لیے ناول نگار کی دلچسپی کے ساتھ ساتھ مہم جویانہ طبع بھی درکار ہوتی ہے۔ جو عاصم بٹ میں یقیناً ہے کیونکہ اس کی جھلکیاں ناول میں کئی مقامات پر نظر آتی ہیں۔ اگر کہا جائے کہ ناول "لاہور" ہے تو بے جانہ ہو گا۔ اپنے شہر لاہور سے محبت عاصم بٹ کے اندر بسی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے ناول کے پیش لفظ میں درست کہا ہے:-

> "عاصم بٹ کے ناول کے پس منظر میں کرداروں کے سوا ایک اور بھید شہر لاہور کا ہے۔ جو اس کے ناول کے مرکزی کرداروں میں سے ایک ہے۔ شہر لاہور کے سٹیج پر یہ کردار آتے ہیں اور اپنے دکھ سکھ کی کہانیاں بیان کر کے رخصت ہو جاتے ہیں۔ ۔۔۔ عاصم بٹ نے لاہور سے وفا کی ہے۔ اس کی روح میں اتر کر اسے ایک زندہ شہر کر دیا ہے۔۔"(۱۰)

ناول کے مطالعے کے بعد یہ بات سچ معلوم ہوتی ہے کہ بقول مستنصر حسین تارڑ "لاہوری واڈکا شراب" کے زیر اثر ہی عاصم بٹ نے لاہور کو لیلائے خوباں بنا کر پیش کیا ہے۔ کون ہے جو اس کی محبت میں گرفتار نہیں ہے؟ اور اس میں کیا ایسا ہے کہ اس کو برت اور دیکھ لینے کے بعد کوئی لاہور سے اپنا پیچھا نہیں چھڑا پاتا۔ لاہور کی گلیاں، مکان اس کے در و دیوار، تھڑے، بازار دکانیں، ریستوران، چائے خانے، عمارتیں، باغات اور سب سے بڑھ کر لاہور کے لاہوری کیا نہیں ہے۔ جو اس ناول میں عمدگی سے پیش نہ کیا گیا ہو۔ ناول میں وہ سب کچھ ہے جو لاہور کو لاہور بناتا ہے۔ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جنھے لاہور نہیں ویکھیا اور جمیا ای نئیں۔

ناول "بھید" کی صورت میں قاری کی ملاقات اس لاہور سے ہوتی ہے جس میں میں رنگا رنگی اور حساسیت ہے۔ عاصم بٹ کے بیان کی سچائی نے اس ناول میں لاہور کو زندہ رکھا ہے۔ ناول کے آغاز سے اختتام تک لاہور ہی لاہور ہے۔

ناول میں لاہور ایک قدیم شہر کے طور پیش کیا گیا ہے۔ قدیم شہر کی ایک سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں مذہب سے محبت کا ایک خاص رچاؤ ہوتا ہے۔ ان شہروں میں مذہبی عمارات نظر آتی ہیں۔ مذہبی کردار ملتے ہیں۔ اور بہترین عبادت گاہیں بنانے کا رجحان ملتا ہے۔ یونہی لاہور داتا کی نگری کہلاتا ہے۔ اور ناول میں داتا گنج بخش کے مزار کا بطور خاص ذکر ہے۔ اس کے علاوہ میاں میر اور سید موج دریا، بھولے شاہ اور مادھولال حسین کے مزار کا ذکر بھی ملتا ہے۔ لاہور کے مزاروں کا ذکر ان بزرگوں کے مریدوں کے ذکر کے بغیر ادھورا ہے۔ لاہور شہر میں ان معتبر اور پاک ہستیوں کے حوالے سے بہت سی باتیں مشہور یا زبان زد عام ہیں۔ اسے کوئی توہم پرستی سمجھے یا پھر دین سے لاعلمی یاں پھر محض قصہ کہانیاں یا مابعد الطبیعاتی حقیقت نگاری اس سے لاہور کو سروکار نہیں ہے بس یہ ایک انداز حیات ہے جو ایک قدیم ترین شہر ہونے کے باعث اس کا خاصا ہے۔ خود لاہور کے بنانے کے عمل میں بھی اور اس کے نام کے حوالے سے بھی کئی ایسی کہانیاں مشہور ہیں۔ یہ قصہ کہانیاں یہاں کے باسی بخوبی سمجھتے ہیں اسی میں لاہور کی زندگی ہے۔

لاہور میں جہاں مادھولال حسین کے مزار اور عرس کا ذکر ہے وہیں پر کاکا سائیں کا بھی ذکر ہے۔ جو لاہور میں مادھولال حسین کے میلہ چراغاں کے لیے اپنے مریدوں کے ٹولے کے ساتھ تشریف لاتے ہیں۔ جو ان کا کل اثاثہ ہیں۔ اور ان کی آمد مزنگ کے اعظم چائے خانے میں ہوتی ہے۔ یہاں وہ کافیاں سناتے ہیں اور ان کے سنگی ساتھی ان کی محفل سے فیض یاب ہونے کے لیے آتے ہیں۔ مالک چائے خانہ ان کا مرید ہے۔ بلکہ ااس کی کاکا سائیں سے جو محبت ہے اس محبت

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

کے قرینے میں بھی لاہور چھپا بیٹھا ہے۔ یہ کاکا سائیں کے سامنے کیچڑ ہونے کے لیے تیار رہتا ہے۔

کچھ ماورائے عقل واقعات لاہور کی پہچان ہیں۔ یہاں یہ تصور پختہ ہے کہ فقیر ولی اللہ مر کر بھی نہیں مرتے۔ ان کا فیض جاری و ساری ہے۔ لاہور انھیں کے فیض پر قائم دائم ہے اس کا اظہار کاکا سائیں کے نام والے واقعے سے ہوتا ہے۔ یہ نام کاکا سائیں کو کھوہ کنارے شاہ حسین نے دیا ہے۔ اور محیر العقول واقعے کے بعد کاکا سائیں اپنا اصلی نام ہمیشہ کے لیے فراموش کر دیتا ہے۔

لاہور میں جتنے بھی مزارات ہیں اس حوالے سے صاحب مزار کی متفرق کرامات مشہور ہیں۔ اس حوالے سے ناول میں لاہور کے ایک پیر حضرت غائب شاہ اور پیر بھولے شاہ کا ذکر ہے۔ لاہور کے ان دونوں فقیروں اور پیروں کے درمیان پیری مریدی کا رشتہ ہے۔ حضرت پیر غائب شاہ پیر بھولے شاہ کے مرشد ہیں۔ اساس مندریاں والے کی تحقیق کے مطابق یہی دارالشکوہ کے بھی پیر تھے۔ اور اس میں کسی کو شک نہیں کہ لاہور میں انھوں نے پردہ کیا۔ ان کے حوالے سے یہ روایت مشہور ہے کہ انھوں نے دارالشکوہ سے کہا کہ وہ سلطنت چھوڑ دے مگر وہ نہ مانا ایک دن میاں میر کی پر شفیق صحبتوں میں پلا ہوا دارا شکوہ پیر غائب شاہ کی صحبت میں حاضر ہوا وہ حالت سکر میں تھے جلال میں آ گئے اور انھوں نے اپنا ہاتھ دارا شکوہ کے ماتھے پر رکھ دیا۔ میاں میر اور ملا شاہ بدخشانی کا دست شفقت نہ ہوتا تو اسی لمحے میں خاکستر ہو جاتا۔ وہ تڑپتا ہوا حجرے سے باہر تالاب میں کود گیا۔ وہاں سے نکلا تو اس کی کایا کلپ ہو چکی تھی۔ اور ماتھے پر پیر غائب شاہ کے پنجے کا نشان باقی رہ گیا تھا۔ اسی نشان کی وجہ سے اورنگ زیب بادشاہ کے پیر خاص ملا نورانی سہروردی نے دیکھا تو اسے دارا شکوہ کو قتل کروانے کا حکم دیا کہ جو پیر غائب کا قہر برداشت کر گیا۔ وہ بچ گیا تو سلطنت کے لیے وبال کا باعث بن سکتا۔

دارا شکوہ کے قتل کے تاریخی اسباب کچھ بھی ہوں اس واقعے کا بیان اسی لیے ضروری ہے کہ اس میں ایک لاہوری رنگ ہے۔ دارا شکوہ دلی اور لاہور اور اس طرح کے کئی شہروں کا ہر دلعزیز شہزادہ رہا ہے۔ لیکن اس واقع میں یہ بات اہم ہے کہ لاہور انھیں کیسے دیکھتا ہے۔ ان کے قتل کے اسباب کو ایک پیر فقیر کی نافرمانی یا جلال سے جوڑنا اور صاحب طاقت پیر کا تعلق لاہور سے ہونا بھی لاہور ہے۔ اس طرح کے واقعات لاہور کے مزاج سے آشنائی کرواتے ہیں۔

لاہور کی جن مساجد کا ذکر ہے ان میں مائی لاڈو کی مسجد، جامع مسجد صدیقہ، الحسینی امام بارگاہ شامل ہیں۔ منصنف لاہور شہر ان کی مساجد کی سرگرمیوں پر تفصیلی بات کی ہے۔ اس سے لاہور کی مساجد اور رہائشیوں کے تعلق کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس حوالے سے مولوی صاحب کے نام ایک خط کے عنوان سے پورا باب شامل ہے۔

لاہور کے کالج اس کے سینے پہ سجے ہوئے میڈلز ہیں۔ ان میں کئی تعلیمی ادارے تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کالجوں یا تعلیمی اداروں میں سے جن کا ذکر "بھید" میں ملتا ہے۔ ان میں بنات کالج، دیال سنگھ کالج، ہیلی کالج، نیو کیمپس یونیورسٹی شامل ہیں۔ نبات کالج ایک تاریخی عمارت میں بنایا جانے والا ادارہ ہے۔ اس عمارت کی تاریخی تفصیل ناول میں ملتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی موجودہ حالت کی بھی تصویر کشی کی گئی ہے۔ دو سے تین پیراگراف میں لاہور کی اس عمارت کے بیان میں ایسی دلکشی ہے کہ ایک عمارت کے وجود سے کھیلے جانے کی کہانی دل کو چھو لیتی ہے۔ یہ لاہور کے وجود کے اس حصے کی داستان لگتی ہے جس نے عروج و زوال کے کھیل دیکھے ہیں۔ ایسی کئی عمارتیں لاہور کا حصہ ہیں۔ یہی ایک کہانی دوسروں کا احوال بھی سنا دیتی ہے۔ لاہور کی طرح ان میں کھڑی تاریخی عمارتوں نے بھی نئے پن کو قبول کیا ہے۔

> "بنات کالج نیلا گنبد میں پانی والی بڑی سبیل کے برابر، چوڑے اور اونچے دروازے والی کھنڈر نما مہیب عمارت میں واقع ہے جو کبھی کسی امیر زادے کی حویلی رہی ہوگی۔ دیوان عام اور دیوان خاص میں سٹاف بیٹھتا ہے جن میں رنگ برنگے شیشوں والی کھڑکیوں اور روشن دانوں سے ست رنگی دھوپ اندر جھانکتی ہے۔"(۱۱)

ناول میں دو اہم عمارتوں جین مندر اور برٹش کونسل کا ذکر شہر لاہور میں دلچسپی کے اضافے کا موجب بنتا ہے۔ عاصم بٹ نے برٹش کونسل کو مٹھو ایلنز کی زبانی "ایلنز لیبارٹری" کہا ہے۔ وہ جگہ جہاں کی انسانوں سمیت ہر چیز پر اسرار ہے اور جو انسانوں کو اپنی لیبارٹری میں "ہیومینز" بنا رہی ہے۔ دراصل یہ تیزی سے ترقی کرتے ہوئے میٹروپولیٹن شہروں کی امید ہے جس میں بیرونی مداخلت جو فکری سطح پر ہوتی ہے انسانوں کو ان کی شناخت اور پہچان بھلانے پر مجبور کر دیتی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

ہے۔ پھر وہ انسانی بستیوں میں یا بڑے شہروں میں رہنے کے باوجود انسان نہیں کہلائے جاسکتے ہیں بلکہ ایلنز بن جاتے ہیں۔ فقط دیکھنے والی آنکھ درکار ہوتی ہے اور مٹھو ایلن کی آنکھ سے قاری ایسے ایلنز برٹش کونسل سے نکلتے دیکھتا ہے۔ یہ عمارت ایلنز کی تجربہ گاہ کے طور پر اپنا کردار نبھا رہی ہے۔ لیکن اس کا ایک دوسرا رخ بھی کھایا گیا ہے۔ لاہور جب بھی کسی کے لیے تنہائی، اجنبیت اور بیگانگی کے در وا کرتا ہے وہ اس عمارت کے دل میں پناہ لیتا ہے۔ یہ برٹش کونسل کی عمارت ٹھنڈی میٹھی ماں کی گود بن جاتی ہے۔ اور لاہور کی گرمی کو اپنے اندر سمونے والی ہستی بن جاتی ہے۔۔ برٹش کونسل کے اس کردار کے حوالے سے مصنف لکھتا ہے۔

"اس کے اندر دل جیسا دھڑکتا ہوا ریڈنگ روم اپنی آغوش میں لینے کی بے چینی میں مبتلا عمارت سے باہر نکل نکل پڑتا ہے۔ وہ آپ کو لوری سناتا ہے، مسکراتا لبھاتا اور اپنا دیوانہ بنالیتا ہے۔" (۱۲)

لارنس گارڈن (باغ جناح) لاہور کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس باغ کی دلچسپ تفصیلات بھی ناول میں ملتی ہیں۔ یہ لارنس گارڈن عصر حاضر کے تناظر میں دکھایا گیا ہے کہ وہاں آج کل کیسی زندگی ہے۔ لوگ اس باغ کا استعمال کیا کر رہے ہیں۔ یہ اب صرف تفریح گاہ نہیں ہے بلکہ لاہور کی بھاگتی ہوئی زندگی میں یہ ایک ٹھہراو ہے۔ ایک پناہ گاہ ہے اور اس کے مقامات کے مختلف نام ہیں۔ جو اس کی صفات سے جڑے ہوئے ہیں۔ یہ وہ صفات ہیں جو یہاں آنے والوں کو بھاتی ہیں اور ان کے لیے مفید ثابت ہوتی ہیں۔ گویا یہ باغ ایک تجارتی منڈی ہے جس میں صارف اپنے مصرف کے حساب سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ یہ جدید شہر لاہور کے باغات سے جڑی ہوئی ایک تلخ حقیقت ہے۔ یہاں لارنس گارڈن اپنے جیسے دیگر کئی باغات کی علامت بن گیا ہے۔ لارنس گارڈن کے ان مقامات کے نام درخت مقام، چڑی مقام، آٹھ مقام، ترت مقام، پہاڑی مقام، جنگلا مقام ہیں۔ ہر مقام کی اپنی ہی خوبیاں ہیں۔ سب دل پسند ہیں۔ بس ٹھہرنے والے کا دل اور نگاہ اپنے مقام کا تعین خود کرتی ہے۔

پرانی انارکلی، نیرنگ گیلری، مصحف حسن کی بیٹھک اور ملک ہوٹل المشہور مودا ہوٹل میں ہمیں لاہور کا ادبی منظر نامہ ملتا ہے۔ اس ادبی منظر نامے میں رنگارنگی، فراخ دلی اور آزادی رائے کا عنصر سب سے زیادہ موجود ہے۔ جہاں کوئی بھی نیا خیال یا نظریہ بآسانی پیش کیا جاسکتا ہے قطع نظر اس بات کے کہ کوئی اسے سراہتا ہے یا اں قبولتا ہے یا اں رد کر دیتا ہے۔ لاہور ہمیشہ سے فنون لطیفہ سے دلچسپی رکھنے والا شہر رہا ہے۔ لاہور شہر کی پیشکش میں اس قضیے کو بھی پیش کر کے ناول نگار نے اس شہر سے اپنی محبت کا ثبوت دیا ہے۔ اور اس کلچر گیلری کی اہم ترین تصویر کو دل سے سراہا ہے۔

شہر اپنے باسیوں سے بنتا ہے اور نمو پاتا ہے اور اس کے باسیوں میں شہر بستا ہے۔ اس لیے لاہور سے لاہوری بنتے ہیں۔ یہی اس کی رونق اور پہچان ہیں۔ مٹھو ایلن اور الیاس مندریا والا لاہور ہے۔ الیاس مندریاں والا لاہور کے چپے چپے سے واقف ہے۔ اس نے لاہور کو اپنے اندر بسایا ہوا ہے۔ شہر کا ہر کتب خانہ، آرکائیو، سرکاری یا نجی دستاویز گاہ اس کی رسائی میں ہیں۔ اسی طرح مٹھو ایلن لاہور کی رونق ہے۔ جب وہ ایک حادثے میں اپنی جان گنوا دیتا ہے تو شہر کی خوب صورتی کچھ کم ہو جاتی ہے۔

"ہمارا ایک دوست مر گیا۔ مٹھو ایلین شہر کی خوب صورتی کچھ اور کم ہو گئی۔" (۱۳)

"بھید" میں لاہور کے جن بازاروں، دکانوں اور تھڑوں کا ذکر ہے۔ یہ اس کے وجود کا حصہ بن کر ابھرتے ہیں۔ ان میں انارکلی، اچھرہ بازار، ٹیکسالی بازار، لال بازار، سنار بازار شامل ہیں۔ ان بازاروں میں پر رونق دکانوں میں چاچا سموسوں والا، لاری کی دکان، بھاء کریمے کی دکان، طیفے نائی کی دکان، مجید کی دکان، ملک ہوٹل المشہور مودا لنگر، اعظم ٹی سٹال، ڈونگا ہوٹل، ٹمپل روڈ کا تھڑا ہوٹل، کمرشل مارکیٹ کا ریفریشمنٹ سنٹر شامل ہیں۔

پرانی انارکلی کے بارے میں مصنف کہتا ہے:

"یہ پرانی انارکلی نہیں۔ ڈائن ہے بھوتوں کو اپنے طرف کھینچتی ہے۔ اسے یا سے بھوت ہی بھوت۔" (۱۴)

مجید للاری کی دکان کا بیان تو اس قدر عمدگی سے کیا ہے کہ یوں لگتا ہے کہ پورا لاہور اس کا کلچر، سبھاؤ، رہن سہن، طرز فکر و طرز حیات، اعتقادات، اخلاق، رویے اس دکان میں سمٹ آئے ہیں۔ یہ وہ لاہور ہے جو تام چینی کے بڑے تھیلے میں دودھ، کڑچھا، کپ، پرچیوں، پلیٹوں، پیالیوں، دیواروں پر سجی ہوئی تصویروں، ان سے جڑی کہانیوں اور نور جہاں کی آواز "وے میں دل تیرے قدماں چ رکھیا" سے مکمل ہوتا ہے۔

"بھید" میں عاصم بٹ نے لاہور شہر میں آنے والی تبدیلیوں اور اس کی وسعت قلبی کو بیان کیا ہے۔ جو ہر میٹروپولیٹن تیزی سے ترقی کرتے ہوئے شہر

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

کا خاصا ہے۔ اپنی ہیئت یا صورت میں تبدیلی کے باعث ہی یہ زندگی کی دوڑ میں شامل رہ سکتا ہے۔ لاہور بھی اسی ضبط میں جی رہا ہے۔ اس لیے عاصم بٹ نے لکھا ہے۔

"یہ شہر مسلسل اپنی صورت بدلنے کے ضبط میں مبتلا معلوم ہوتا ہے۔" (۱۵)

لاہور قبولتا ہے۔ ہر نئے آنے والے کو اپنے اندر سمولیتا ہے۔ اور اس کی وسعت کو وارد کے لیے کبھی کبھار پریشانی کا باعث بھی بنتی ہے۔ کیونکہ دوڑتی بھاگتی، رنگینیوں اور گہما گہمیوں اور رونقوں کو دیکھنے کا ایک اپنا تجربہ ہے۔ وہ خاموش اور قدرے سست رفتار زندگی سے بھرے ہوئے شہروں دیہاتوں یا علاقوں سے آنے والے لوگوں کے لیے بہت منفرد ہوتا ہے۔ ناول کا کردار حمید جب لاہور شہر آتا ہے تو وہ ایسی ہی بے گانگی کو محسوس کرتا ہے۔

"آسے پاسے وگدی پئی اے، لوکاں والی نیہہ ایڈھاوڈھالہور شہر تے کلم کلا میں۔"(۱۶)

ناول "دائرہ"، "ناتمام" اور "بھید" میں لاہور اپنی جزئیات سمیت موجود ہے۔ یہ ناول لاہور کا کولاج ہے۔ لاہور کی گلیوں، محلوں، مکانوں، دکانوں، تھڑوں، فٹ پاتھوں، بازاروں کالجوں، یونیورسٹیوں، پارکوں، مقبروں، مساجد، علاقوں اور کرداروں کی تصویریں اس کولاج کو مکمل کرتی ہیں۔ ان میں لاہور کی زندگی ہے ۔ اس کا بھید ہے۔ ان میں لاہور کا بیان ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان میں در حقیقت قدیم اور جدید لاہور سانس لیتا ہے۔ کبھی نگاہ جھروکوں میں سے قدیم لاہور کو دیکھتی ہے۔ اور کبھی اس کی پڑھت جدید شہر لاہور میں زندگی گزارنے والے لوگوں کی دلچسپ کہانی بن جاتی ہے۔ بھاگتی دوڑتی یہ زندگیاں لاہور کی وسعت قلبی کی گواہ ہیں۔ عاصم بٹ نے ان تینوں ناولوں میں اپنے عہد میں کھڑے ہو کر لاہور کو ایک فریم میں مقید کر دیا ہے جس کے سامنے سے عصر حاضر کا لاہور نظر آتا ہے جو ناول نگار کی آنکھوں سے دیکھا ہوا لاہور ہے۔ اور اس کی پشت میں قدیم لاہور سے جس کے قصے جدید لاہور کے باسیوں نے سنائے ہیں اور وہ لاہور کولاج کا حصہ بنتے گئے ہیں۔ لاہور کی پہچان، شناخت، کردار، اوصاف و خواص کے حوالے سے یہ "دائرہ"، "ناتمام" اور "بھید" اہم ناول ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ عاصم بٹ، محمد۔ دائرہ۔ سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۲۱۰
۲۔ اسد اللہ خان غالب، دیوانِ غالب، فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۱۳۵
۳۔ عاصم بٹ، محمد، دائرہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۲۲۱
۴۔ ناصر کاظمی، کلیاتِ ناصر، ناصر کاظمی بک سوسائٹی، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۷۹
۵۔ عاصم بٹ، محمد، دائرہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۲۳۴
۶۔ عاصم بٹ، محمد، ناتمام، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۷۶
۷۔ ایضاً، ص ۷۵
۸۔ ایضا، ص ۵۰
۹۔ ایضا، ص ۷۲
۱۰۔ عاصم بٹ، محمد، بھید، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہورِ ۲۰۱۸ء، ص ۹
۱۱۔ ایضاً، ص ۴۱
۱۲۔ ایضاً، ص ۱۰۲
۱۳۔ ایضاً، ص ۱۳۱
۱۴۔ ایضاً، ص ۱۲۴
۱۵۔ ایضاً، ص ۱۹۶
۱۶۔ ایضاً، ص ۱۶۸